

مولانا محمد شہاب الدین ندوی *

مقالہ خصوصی
(قسط نمبر ۱)

سائنسی علوم اور قرآن کا نظریہ علم وحی اور علم میں مطابقت کا ایک حیرت انگیز نظارہ

ایک زمانہ تھا کہ وحی الہی کے اثبات کے لئے انبیائے کرام کو حسی معجزات سے نوازا جاتا تھا تا کہ لوگ ان معجزات کو دیکھ کر وحی الہی پر ایمان لاسکیں۔ لیکن موجودہ تجرباتی علوم کے دور میں اس قسم کے معجزات کی اہمیت و افادیت ختم ہو گئی ہے۔ اس لئے عصر جدید میں وحی الہی کے اثبات کے لئے قرآن حکیم کے روپ میں ایک ایسا زندہ اور لازوال علمی معجزہ عطا کیا گیا جس کا معجزہ ہونا حیرت انگیز طور پر خود عصر جدید کی تحقیقات و تجربات کے ذریعہ اس طرح ثابت ہو جائے کہ نوع انسانی کو انکار کی مجال نہ رہ جائے۔ چنانچہ خدا کی منصوبے کے مطابق کلام الہی کو کائنات کے ایسے اسرار سرستہ کا امین بنایا گیا جن کی صداقت و سچائی آگے چل کر خود انسانی تحقیقات و تجربات اور اس کے مشاہدات و اکتشافات کے ذریعہ ظاہر ہو جائے اور اس کے کلام الہی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہ جائے۔ یہ گویا کہ وحی والہام کے برحق ہونے پر ایک سائنسفک ثبوت ہے تا کہ اس مظاہر کے ذریعہ وحی اور علم یا ایمان اور عقل میں مطابقت ظاہر ہو جائے اور طبیعیات کا تعلق مابعد الطبیعیات سے کھل کر سامنے آجائے۔ پھر اس کے نتیجے میں تشکیک (اسکیپٹیزم) ارتیابیت (اگناسٹیزم) اور منطقی اثباتیت (لاجیکل پازٹیو ازم) وغیرہ تمام گمراہ کن فلسفوں کا رد و ابطال بھی ہو جائے۔

کیا علم حواس کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے؟

غرض اس مظاہرہ الہی کے نتیجے میں جہاں ایک طرف ان تمام قدیم فلاسفہ کا بھی رد ہو جائے جو تجرباتی علم یا استقرائی منطق کو قابل استدلال نہیں مانتے تھے تو دوسری طرف جدید فلاسفہ کا بھی رد ہو جائے جو وحی والہام کو بے بنیاد بتاتے ہوئے صرف تجرباتی علم یا سائنسی بحث و تحقیق کے طور پر ثابت شدہ حقائق ہی کو حجت مانتے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اکثر قدیم فلاسفہ حواس کے ذریعہ حاصل ہونے والے علم کی نفی کرتے ہیں۔ چنانچہ فلسفہ تصوریت کی بنیاد ہی یہی ہے کہ ہمیں حواس کے ذریعہ جو علم حاصل ہوتا ہے وہ محض دھوکہ اور فریب ہے۔ افلاطون کا بھی یہ نظریہ تھا کہ محسوسات کی دنیا ایک دھوکہ اور نمائش ہے۔ مگر ارسطو کے نظریے کے مطابق محسوسات کا وجود حقیقی ہے اور اس مسئلے میں قرآن حکیم بھی اس کا مدعی ہے۔ ورنہ پھر کسی پر بھی حجت ثابت نہیں ہو سکتی۔ جب کہ حقیقت یہ

ہے کہ قرآن حکیم عالم ظواہر کو بطور حجت پیش کرتا ہے اور اس سلسلے میں بیسیوں آیات موجود ہیں جو اشیائے عالم میں غور و خوض کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔ مگر اس موقع پر صرف ایک آیت پیش کی جاتی ہے جس کے مطابق اصولی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی نظر میں علم کا ایک ماخذ حواس (خصوصاً سمع و بصر) بھی ہے تو اس کا دوسرا ماخذ عقل (نواد) ہے:

ان السمع والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مستقولا (اسراء: ۳۶)

”سمع و بصر اور فؤاد (دل یا عقل) ہر ایک سے یقیناً باز پرس ہوگی۔“

انہیں دو ذرائع سے استدلالی علم حاصل ہو سکتا ہے جسکے ذریعہ دوسروں پر حجت قائم کی جاسکتی ہے۔ غرض عالم محسوسات دھوکہ نہیں بلکہ علم الاشیاء کی بنیاد و اساس ہے اور یہی وہ علم ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت ارض اور تسخیر اشیاء کی غرض سے عنایت کیا گیا تھا۔ اس آیت کریمہ پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

تجربیت میں ارسطو اور جدید سائنس کا فرق؟

ارسطو اگرچہ تجربیت کا داعی تھا یعنی وہ یہ نظریہ رکھتا تھا کہ اشیاء کا علم محسوسات کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے مگر وہ خود اس پر عمل نہ کر سکا اور نہ یونانی فلسفے میں اس کی کوئی ترغیب ہی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک مغربی مصنف ایڈون اے برٹ اپنی فاضلانہ کتاب ”فلسفہ مذہب“ میں تحریر کرتا ہے کہ ارسطو کی تجربیت اور جدید سائنسی تجربیت میں پانچ حیثیتوں سے فرق ہے۔ چنانچہ اس موقع پر موصوف کی تحریر کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلا فرق: انسان کے وقتی اعمال کے مجموعی سیاق میں مدركات سے صداقت حاصل کرنے کے تجربی علم کے مقام کے تعین میں ارسطو اور جدید تجربیت پسندی میں بہت فرق ہے۔ ارسطو کے نزدیک یہ عمل عقلی تصدیق کی ایک ضروری مگر ابتدائی منزل تھا یعنی اس طرح سے حاصل شدہ علم کی مدد سے منطقی استخراج کے ذریعہ جو حقائق مستطب ہوتے ہوں ان کو ثابت کیا جاسکے۔ ارسطو کے نزدیک صحیح سائنس کا مقام یہ تھا کہ معلومہ اصولوں سے دیگر قضایا کا باقاعدہ استخراج کیا جائے۔ اشیاء کے ادراک سے ان کی صورت کی وجدانی تفہیم تک پہنچنا سائنس کی ایک ضروری اور ابتدائی منزل ضرورتی لیکن وہ سائنس کا حصہ نہیں کہلا سکتی۔

دوسرا فرق: اس علمی ماحول کے زیر اثر ارسطو اور اس کے متبعین نے کبھی اس ضرورت کو محسوس نہ کیا کہ وہ تجربی انکشافات کے علم کی رہنمائی کے لئے کوئی مفصل تحفظات ضبط تحریر میں لائیں۔ ان کا خیال تھا کہ ادراک، حافظہ اور عقلی تفہیم کے اعمال خود بخود اس قسم کی رہنمائی کا کام سرانجام دے سکتے ہیں اور اس کیلئے کسی قانون یا ضابطہ بندی کی ضرورت نہیں۔ قدرتی واقعات کے مشاہدات کے علاوہ انہوں نے تجربات کی اہمیت کا کبھی احساس نہیں کیا ان کے ذہن میں یہ خیال بھی کبھی نہ آیا کہ معلومہ اصولوں سے مستطب شدہ نتائج کی صداقت کو مشاہدات کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں تصدیق (Verification) سائنسی عمل کا جزو نہیں۔

تیسرا فرق: ارسطو کے متبعین نے سائنس کو محض مشاہدات کا مجموعہ سمجھا لیا کہ تجرباتی انکشاف کے نتائج

کے صدق (و کذب) کا انحصار معلومہ مفروضات کی وسعت، میسر سائنسی آلات اور تشریح و تاویل کے مروجہ تصورات پر ہوتا ہے اگر کوئی اصول واضح طور پر سمجھ میں آ جاتا تو اس کو مطلقاً صحیح تصور کر لیا جاتا۔ اس میں آئندہ درستی یا اصلاح کے امکان کو تسلیم کرنے کی ضرورت کبھی محسوس نہ کی جاتی۔ عقلی شعور کے عمل کی صداقت گویا مسلم تھی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان لوگوں کے نزدیک مفکرین غلطی سے مبرا تھے لیکن اس کا یہ مطلب ضرور ہے کہ ان کی نگاہ میں عقل کی صلاحیت بہت زیادہ تھی اور اس کی کوتاہیوں اور کمزوریوں سے اتنے واقف نہیں تھے جتنے کے جدید سائنس دان۔ ان کے نزدیک ان غلطیوں کا وہی مقام تھا جو ہمارے ہاں ریاضیاتی غلطی کی حیثیت ہوتی ہے۔

چوتھا فرق: ارسطاطالیسی تجربیت چند مفروضات پر مبنی تھی۔ ان مفروضات کو تبدیل کئے بغیر اس تجربیت کے مذکورہ بالا نقائص قائم رہنے ضروری تھے۔ اس نفسیاتی نظریے نے مذکورہ بالا مفروضات کو تسلیم کرنے میں مدد دی کہ علم میں اصلاح و ترمیم کی گنجائش نہیں اور تجرباتی انکشافات کی صحیح رہنمائی کے لئے کسی قسم کے تحفظات یا بدایاتی قوانین کی ضرورت نہیں۔ پانچواں فرق: اصلاح و ترمیم کی گنجائش سے انکار کرنے کا ایک اور نتیجہ برآمد ہوا۔ جدید تجربیت اس واقعے کو تسلیم کرتی ہے کہ قوانین فطرت جو ثابت کئے جا چکے ہیں یا آئندہ جو دریافت ہوں گے ایسے ہیں کہ ان کی بنا پر مستقبل کے واقعات کی پیش گوئی کی جاسکتی ہے اور ان کی مدد سے آئندہ پیش آنے والے واقعات پر کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ارسطاطالیسی تجربیت اس قسم کی پیش گوئی اور واقعات کی ضابطہ بندی اور کنٹرول کے تصورات سے بالکل نا آشنا تھی۔ درحقیقت یونانی ذہن تسخیر کائنات کے تصور سے بالکل نا آشنا تھا اور اسلئے ان کے ہاں عقلیت کے نصب العین میں یہ چیز شامل نہ تھی۔ زمانہ وسطیٰ میں اس طرح کے دینیو مشاغل پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ مشاغل اخروی سعادت کے حصول میں سدراہ بنتے ہیں۔^(۱)

مادی فلسفوں کا ابطال

لہذا اسلام نے قرآن حکیم کے ذریعہ تاریخ عالم میں پہلی بار تجربیت کی صدا بلند کی، یعنی تجرباتی سائنس کو فروغ دینے پر زور دیا، جسے یونانیوں نے پوری طرح نظر انداز کر دیا تھا۔ تاکہ اس کے ذریعہ نہ صرف قدیم فلاسفہ بلکہ جدید فلاسفہ کا بھی رد و ابطال ہو جائے۔ قرآن حکیم کے ذریعہ وہ حقائق منظر عام پر آجائیں جن کی پیش خبر کلام الہی میں بے شمار آفاقی صداقتوں کے روپ میں پہلے ہی سے درج کر دی گئی ہے تاکہ ان کے ذریعہ ”قرآنی نظریہ علم“ کا اثبات ہو اور اس کے مقابلے میں دیگر تمام غلط اور بے بنیاد نظریہ ہائے علم کا رد ہو۔ اور پھر اس کے نتیجے میں ہر قسم کی بے مہار ”عقلیت“ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے۔ چنانچہ عصر جدید میں جن مادی فلسفوں نے نوع انسانی کو مختلف قسم کے فتوں میں مبتلا کر رکھا ہے ان میں سے بعض یہ ہیں:

مادیت (مٹیریلزم)، عقل پرستی (انٹلکچولزم)، عقلیت (ریشنلزم) مذہب سائنس)

سائنٹزم (ایمپیریٹ) (پازیٹیویزم)، اور منطقی اثباتیت (لاجیکل پازیٹیویزم) وغیرہ

غرض تجربیت یا تجرباتی سائنس کی بنیاد اسلام ہی کی ڈالی ہوئی ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ طبیعیات اور مابعد طبیعیات میں ربط و تعلق ثابت ہو سکے۔ اور اس مظاہرہ کے ذریعہ وہ جدید ترین انتہاء پسندانہ فلسفوں کا بھی بھرپور رد و ابطال کر کے روحانی اقدار کا احیاء کرنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم کے ذریعہ تجرباتی سائنس کے فروغ پر زور دیا گیا، جیسا کہ اس سلسلے میں بے شمار قرآنی آیات موجود ہیں۔ بطور مثال اس موقع پر چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

قل انظروا ماذا فی السموت والارض (یونس: ۱۰۱)

”کہہ دو کہہ ذرا غور سے دیکھو تو کسی زمین اور آسمانوں میں کیا کیا چیزیں موجود ہیں؟“

ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنهار لآیات لاولی الالباب (ال عمران: ۱۹۰)

”زمین اور آسمانوں کی خلقت و ہئیت اور دن رات کے بہر پھیر میں دافش مندوں کیلئے یقیناً بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔“

ان فی السموت والارض لآیات للمومنین - وفی خلقکم وما یبث من دابة آیات لقوم یوقنون۔ (جاثیہ: ۳۰-۳۱)

”زمین اور آسمانوں میں ایمان والوں کیلئے یقیناً بہت سی نشانیاں (دلائل ربوبیت) موجود ہیں۔“

وفی الارض آیات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون۔ (مائدہ: ۲۰-۲۱)

”یقین کر نیوالوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں موجود ہیں اور خود تمہاری ہستوں میں بھی، کیا تم کو نظر نہیں آتا؟“

اولم یروا کیف یددی اللہ الخلق ثم یعیدہ ان ذلک علی اللہ یسیر (غیبت: ۲۰)

”کیا انہوں نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ کس طرح (ہر) مخلوق کی ابتدا کرتا ہے اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے؟ یقیناً یہ فعل اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔“

قل سیروا فی الارض فانظروا کیف بدا الخلق ثم اللہ ینشی النشاة الاخرة ان اللہ علی کل شیء قدیر (غیبت: ۲۱)

”کہہ دو کہہ زمین میں چل پھر کر جائزہ لو کہ اس نے مخلوق کو (پہلی دفعہ) کس طرح پیدا کیا؟ پھر اللہ اسی طرح آخرت میں دوبارہ پیدا کرے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

قل سیروا فی الارض ثم انظروا کیف کان عاقبة المکذبین (انعام: ۱۱۰)

”کہہ دو کہہ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ (اللہ کی) تکذیب کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟“

افلم یبظروا الی السماء فوقہم کیف بنینہا وزیناہا و مالہا من فروج والارض مددناہا

والقینا فیہا رو اسی وانبتنا فیہا من کل زوج بھیج - تبصرة و ذکرى لكل عبد منیب۔ (ق: ۶-۸)
 ”کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا اور اسے زینت بخشی اور
 اس میں کوئی رخسہ (کسی طرح کا خلل) موجود نہیں ہے اسی طرح ہم نے زمین کو (اس کی پوری گولائی میں) پھیلایا اور
 اس میں مضبوط پہاڑ ڈال دیئے اور اس میں ہر قسم کے زوج (زومادہ پھول) اگا دیئے۔ یہ سب کچھ اللہ کی طرف
 رجوع کرنے والے ہر بندے کے لئے بطور بصیرت اور یاد دہانی ہے۔“

إنما یخشی اللہ من عبادة العلماء (ناظر: ۲۸)

”اللہ سے اس کے بندوں میں صرف اہل علم ہی ڈر سکتے ہیں۔“

قاعتبروا ایا اولی الابصار (حشر: ۲۰)

”اے آنکھوں والو عبرت حاصل کرو۔“

قرآن مجید میں اس قسم کی بے شمار آیات موجود ہیں جو انسان کو علم، عقل اور تفکر و تدبر کے ذریعہ اشیائے عالم
 کے مشاہدے اور باریک بینی کے ساتھ ان کا جائزہ لینے پر ابھارتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف کلام الہی میں علم و عقل اور
 غور و فکر سے کام نہ لینے والوں اور خدا کی نشانیوں کا انکار کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے انہیں گونگے بہرے اور
 بدترین چوپاؤں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ان شر الدواب عند الله الصم البکم الذین لا یعقلون (انفال: ۲۲)

”اللہ کے نزدیک بدترین چوپائے وہ بہرے اور گونگے لوگ ہیں جو کچھ بھی نہیں سمجھتے۔“

والذین کذبوا بآیاتنا صم وبکم فی الظلمات (انعام: ۳۹)

”اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں (دلائل ربوبیت) کو جھٹلایا وہ بہرے اور گونگے ہیں جو تاریکیوں میں ہیں۔“
 غرض قرآن حکیم آفاق و انفس کی چھان بین کے ذریعہ اس کائنات کی تمام اشیاء کا مطالعہ کرنے اور ان کے
 سینوں میں ودیعت شدہ عبرتوں اور بصیرتوں سے سبق حاصل کرنے کی دعوت عام دیتا ہے اور جو لوگ ان اسباق و بصائر
 سے روگردانی کرتے ہوئے اپنے رویہ کو کسی بھی طرح بدلنے پر تیار نہ ہوں انہیں بہائم اور چوپائے قرار دیتا ہے جو کچھ
 بھی سننے اور سمجھنے پر تیار نہ ہوں اس سے بڑھ کر اسلام کی معقولیت اور کیا ہو سکتی ہے جو اس کائنات کو ایک کھلی کتاب قرار
 دے کر کھلے دل و دماغ کے ساتھ اس کا مطالعہ کرنے کی دعوت دیتا ہے؟ لہذا اسلام پر بے عقلی یا جمود پسندی کا التزام کسی
 بھی طرح عائد نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ یہ دعوت فکر و ہی دے سکتا ہے جو مظاہر کائنات اور ان کی اندرونی مشنری سے
 پوری طرح واقف ہو اور جسے اپنے کلام کے غلط ہو جانے کا کسی بھی طرح خدشہ نہ ہو۔

جدید فلسفے پر ایک نظر

بہر حال قرآنی نظریہ علم اور اس کے مہجور اہل علم پر بحث کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ بتا دیا

جائے کہ خود نظریہ علم اور اس سے مقصود کیا ہے؟ اور فلسفے سے اس کا کیا تعلق ہے؟

فلسفے کی کوئی جامع و مانع تعریف موجود نہیں ہے بلکہ ہر فلسفی نے اپنے اپنے اغراض و مقاصد کے لحاظ سے اس کی مختلف تعریف کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مظاہر و نظائر سے بھرپور یہ کائنات ایک بھول بھلیوں کی طرح ہے لہذا ایک فلسفی کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ مادی اشیاء کی حقیقت و ماہیت اور ان کے پس پردہ کارفرما کسی ہستی کے وجود کا پتہ چلائے جسے علت تکوین یا علت العلل کہا جاسکے۔ اس اعتبار سے افلاطون اور ارسطو سے لے کر نیکس 'ڈیکارڈ' کانت اور ہنری برگسان وغیرہ تمام قدیم و جدید فلاسفہ کی نگ و تاژ کا محور یہ رہا ہے۔

اس موقع پر فلسفے پر کوئی مبسوط بحث کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ قدیم و جدید فلسفے کے مباحث میں کافی فرق ہے۔ جدید فلسفے کی حسب ذیل تین اہم شاخیں قرار دی گئی ہیں جو یہ ہیں:

- ۱۔ وجودیات یا وجود کی بحث (اونٹولوجی) (۲) اس کو مابعد الطبیعیات (مینافزکس) (۳) بھی کہا جاتا ہے
- ۲۔ نظریہ علم (ایپسٹمی مولو جی) (۴)
- ۳۔ اقدار (ویلیوز) (۵) کی بحث۔

وجودیات یا مابعد الطبیعیات میں: حقیقت مطلقہ یا وجود حقیقی سے بحث کی جاتی ہے یعنی اس کائنات کی آخری صداقت کیا ہے؟ آیا ایسا کوئی وجود ہے جو نظائر اشیاء کی ضد ہے؟ نظریہ علم سے مراد یہ ہے کہ علم کی اصل ماہیت کیا ہے؟ اور کیا حقیقت کا علم ممکن ہو سکتا ہے؟ نیز یہ ہے کہ علم کے حدود و ضوابط کیا ہیں اور اس کے ذرائع کیا ہیں؟ موجودہ دور میں اس بحث نے کافی اہمیت اختیار کر لی ہے۔ اور فلسفہ اقدار میں اخلاق، منطق اور جمالیات سے بحث کی جاتی ہے۔ اخلاقیات میں خیر و شر اور خوب و ناخوب وغیرہ زیر بحث آتے ہیں۔ جن کا تعلق انسانی کردار و کریکٹر سے ہے۔

نظریہ علم پر ایک نظر:

اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عصر جدید میں نظریہ علم نے جو کروٹ بدلی ہے اس پر قدرے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی جائے جس نے مادیت کا جامہ زیب تن کر کے تمام دینی و روحانی اقدار کا انکار کر دیا ہے۔ نتیجہ یہ کہ اس کی نظر میں وحی و الہام اور تمام روحانی صداقتیں دقیا نویت کی نشانی بن کر رہ گئی ہیں۔

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ نظریہ علم ایک فلسفیانہ اصطلاح ہے جس کو تھیوری آف ٹانج بھی کہا جاتا ہے۔ اور یہ بطور اصطلاح انیسویں صدی عیسوی میں مشہور ہوئی (۶) نظریہ علم کی مختصر تعریف اس طرح ہے: فطرت کا مطالعہ اور

انسانی علم کا جواز۔ (۷) The Study of nature and validity of human knowledge.

اس نظریہ کے مطابق ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ فطرت کا علم کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟ اور اس کے حدود و ضوابط کیا ہیں؟ قدیم یونانی فلاسفہ نے علم، صداقت اور عقیدے کے باہمی تعلقات کی جانچ پڑتال کی تھی۔ نیز انہوں نے یہ سوال بھی اٹھایا تھا کہ علم کا کیا جواز ہے؟ تاہم لاک اور کانت نے

موتھا ان فی ذلك لا یت لقوم یعقلون (۲۳:۴۰)

”اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمہیں بجلی خوف اور امید کے طور پر دکھاتا ہے اور اوپر سے بارش برسا کر زمین کو اس کا مردہ ہو جانے کے بعد (دوبارہ) زندہ کر دیتا ہے اس مظہر (خداوندی) میں یقیناً عقل والوں کے لئے (وجود باری کی) نشانیاں موجود ہیں۔“

اولم یروا ان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر ان فی ذلك لا یت لقوم یومنون (۲۴:۴۱)
”کیا انہوں نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ اور (جس کے لئے چاہے) تنگ کر دیتا ہے۔ یقیناً اس باب میں ایمان لانے والوں کے لئے نشانات باری موجود ہیں۔“

ومن آیاتہ الیل والنہار والشمس والقمر (مجمد: ۳۷)

”رات اور دن اور آفتاب و ماہتاب (حیرت انگیز نظاموں کی بدولت اس کے نشانیوں میں سے ہیں۔“
ومن آیاتہ خلق السموت والارض وما یت فیہما من دابة وهو علی جمیعہ اذا یشاء
قدیر (شوری: ۲۹)

”اس کے وجود کی نشانیوں میں سے ہے اجرام سماوی اور زمین کو پیدا کرنا اور ان دونوں میں جانداروں کو پھیلا دینا وہ (ان دونوں سلسلے کی) عاقل مخلوق کو جب چاہے (کسی ایک مقام پر) جمع کرنے پر قادر ہے۔“
ان آیات میں خطاب اہل علم، اہل دانش اور ایمان لانے کی خواہش رکھنے والوں سے ہے۔ اس طرح قرآن حکیم لوگوں کے جذبات سے نہیں بلکہ ان کی عقل و بصیرت سے اپیل کرتا ہے اور ان کے دل و دماغ کو چھوڑتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ پوری سنجیدگی اور معقولیت کے ساتھ ان مظاہر ربوبیت اور ان کے نظاموں میں تحقیق و تفتیش کریں۔ کیونکہ نقاشِ فطرت نے زمین و آسمان اور ان میں موجود اشیاء کا نظاموں کو بیکار و بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے بلکہ انہیں پوری حکمت اور منصوبہ بندی کے ساتھ وجود میں لایا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وما خلقنا السماء والارض وما بینہما باطلا ذلك ظن الذین کفروا۔ (نہان: ۲۷)

”ہم نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان موجود چیزوں کو بے کار (بے مقصد) پیدا نہیں کیا۔ یہ تو مکرینِ خدا کی بدگمانی ہے۔“

وما خلقنا السموت والارض وما بینہما لاعین۔ ما خلقنا ہما الا بالحق ولكن

اکثرہم لا یعلمون۔ (نہان: ۲۸:۲۹)

”ہم نے زمین، اجرام سماوی اور ان کے درمیان موجود چیزوں کو کھیل کود میں پیدا نہیں کیا ہے۔ بلکہ ہم نے ان سب کو حقانیت (منصوبہ بندی) کے ساتھ وجود میں لایا ہے لیکن ان میں سے بہت سے لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔“

پہلی بار نظریہ علم کو تمام فلسفیانہ اور سائنسی تحقیق کے لئے بنیادی قرار دے دیا۔ (۸)

اس نظریہ کے فروغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ آگے چل کر عقلیت (ریشنلزم) اور تجربیت (ایمپیریسزم) نے خوب زور پکڑ لیا۔ چنانچہ ہیوم کے نزدیک ناقابل ادراک شے کی قبولیت کے لئے شہادت ضروری ہے۔ لہذا وہ ہر عقیدے پر یقین کے لئے شہادت کا مطالبہ کرتا ہے۔ (۹) اسی طرح ہر برٹ اپنسر مابعد الطبعی حقائق کا قائل تو تھا مگر وہ روایتی نظریات کی شہادت کو ناقابل تصور کرتا تھا۔ (۱۰) اور کانت کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ مابعد الطبعی امور انسانی گرفت میں نہیں آسکتے (۱۱) اس اعتبار سے مذہب اور سائنس کے درمیان اصل تنازعہ ادراک بالحواس کا ہے۔

الغرض اس بحث سے واضح ہو گیا کہ فلسفے کا اصل مقصد حقیقت مطلقہ کا علم حاصل کرنا ہے۔ مگر چونکہ فلسفہ روایتی اقدار اقدار و عقائد کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہوئے ان کے حجت ہونے پر سوالیہ نشان لگاتا ہے اور تجربیت پر زور دیتے ہوئے صرف حواس کے ذریعہ حاصل ہونے والے علم ہی کو قابل استدلال مانتا ہے اس لئے جدید فلسفے میں ”نظریہ علم“ نے ایک خاص مقام حاصل کر لیا ہے۔

عصر جدید میں فرانس بیکن نے (۱۶۰۰ کے لگ بھگ) یورپ میں پہلی بار ارسطو کے قیاسی فلسفے سے اختلاف کرتے ہوئے استقرائی فلسفے پر زور دیا تھا جس کی بنیاد مشاہدے اور تجربے پر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آگے چل کر جدید فلاسفہ نے تجربیت کو پوری طرح اپناتے ہوئے روایتی علوم یا دینیات کا انکار کر دیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ علوم تجربات کے دائرے میں نہیں آتے۔ افلاطون ارسطو بیکن اور ڈیکارٹ کے نزدیک مابعد الطبعیات فلسفے کا ایک جزء رہا ہے۔ جب کہ بعض جدید ترین فلسفے جیسے مذہب سائنس (سائنزم) اور منطقی اثباتیت (لوجیکل پازیٹیو ازم) وغیرہ کے نزدیک طبعیات یا دنیائے مادی کے مادراء کوئی فوق الطبعی (سوپرنیچرل) ہستی موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس قسم کے فلسفوں کا دعویٰ ہے کہ جو چیز حواس یا محسوسات کے دائرے سے باہر ہو اس کا کوئی وجود نہیں ہو سکتا۔ اس طرح انہوں نے مابعد الطبعیات کے خلاف ایک جنگ چھیڑ رکھی ہے اور مادی فلسفے وحی والہام کو علم کا ذریعہ نہیں مانتے بلکہ صرف محسوسات کے ذریعہ حاصل ہونے والے علم ہی کو مستند قرار دیتے ہوئے روایتی عقائد و اقدار کو تجربی علوم کو روشنی میں جانچنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

عصر جدید میں سائنس اور فلسفہ دونوں کا مقصد اشیاء کی تہہ تک پہنچ کر صداقت یا حقیقت مطلقہ کی تلاش کرنا ہے مگر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ سائنس اشیاء کا باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کر کے قریبی عین دریافت کرتی ہے جب کہ فلسفہ سائنسی تحقیقات و اکتشافات کو بنیاد بنا کر بعید ترین علتوں کی تلاش کرتا ہے اس اعتبار سے فلسفے کا ارتقاء سائنسی ارتقاء کے تابع ہوتا ہے چنانچہ جب کبھی سائنس کوئی نئی حقیقت دریافت کرتی ہے تو فلسفے کو بھی اپنے نظریات میں ترمیم کرنی پڑتی ہے۔ اس لحاظ سے سائنس اور فلسفے میں صحیح تال میل قائم رہنا بہت ضروری ہے ورنہ کوئی بھی فلسفہ از کار

دور قدیم میں سائنس اور فلسفے کے مباحث باہم ملے ہوئے تھے یعنی اس وقت فلسفہ میں سائنس بھی داخل تھی اگرچہ وہ ابتدائی حالت میں تھی۔ مگر درود جدید میں یہ دونوں الگ الگ علوم قرار پا گئے۔ جو مباحث تجربات کے دائرے میں آتے ہوں ان کو سائنس قرار دیا گیا۔ اور جو مباحث تجربات کے دائرے میں نہ آتے ہوں انہیں فلسفہ کہا گیا۔

قرآن عظیم کا نیا معجزہ:

اس پس منظر میں قرآنی نظریہ علم اور اس کے تصورات علم کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ اشیاء کے خارجی وجود کے بارے میں اس کا کیا نظریہ ہے؟ محسوسات و معقولات کے ذریعہ کا علم کس حد تک حاصل ہو سکتا ہے؟ اور یہ کہ کیا انسان اپنے مشاہداتی و تجرباتی علم کی رو سے حقیقت حال تک پہنچ سکتا ہے اس بحث سے نہ صرف یہ کہ قدیم و جدید ہر قسم کے بے بنیاد فلسفوں اور نظریوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے بلکہ جدید مادہ پرست فلاسفہ کے مطالبے کے مطابق مابعد الطبعی حقائق کے وجود پر سائنٹفک ثبوت بھی مہیا ہو جاتا ہے جو تاریخ فلسفہ میں ایک بالکل انوکھی اور نرالی چیز ہے ایک ایسا ثبوت جس کا انکار مادہ پرست کسی بھی طرح نہیں کر سکتے۔ یہ عصر جدید پر اتمام حجت کے لئے قرآن عظیم کا ایک نیا اور تازہ معجزہ ہے جو سلیم الفطرت انسانوں کی رہنمائی کے لئے بہت کافی ہے اس بحث سے یہ حقیقت بھی بخوبی واضح ہو جائے گی کہ قرآن عظیم ہر دور کے تقاضوں نوع انسانی کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ بخوبی انجام دے سکتا ہے اور اس اعتبار سے وہ ہمیشہ تازہ اور سدا بہار رہے گا۔ اس پر کہنگی کی پرچھائیاں کبھی نہیں پڑ سکتیں کیونکہ وہ رب العالمین کا کلام اور اس کا علم ازل کی کار تو ہے۔ جو اس عالم آب و خاک کی ایک ایک چیز اور اس کے ایک ایک مجید سے بخوبی واقف ہے۔ لہذا اس نے اپنے کلام حکمت میں ہر قسم کے ”ذہنی امراض“ سے بچنے کا سامان بطور پیش بندی پہلے ہی سے مہیا کر رکھا ہے۔ اس اعتبار سے کلام الہی کے علمی اعجاز پر ایک نئی روشنی پڑتی ہے جو عالم انسانی عبرت و بصیرت کیلئے بہت کافی ہے۔

قرآن کا فلسفہ کائنات

اس سلسلے میں سب سے پہلی حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم نے نوع انسانی کو غور و فکر اور تعقل و تدبر کے ذریعہ زمین و آسمان کی تمام اشیاء موجودات کا نہایت درجہ باریک بینی کے ساتھ جائزہ لینے اور مشاہدے و تجربے کے ذریعہ ان میں ودیعت شدہ خدا کی اسباق و بصائر کو پوری ایمان داری کے ساتھ بے نقاب کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں بعض آیات پچھلے صفحات میں پیش کی جا چکی ہیں اور کچھ مزید آیات حسب ذیل ہیں:

ومن آياته خلق السموات والارض واختلاف السننكم والوانكم ان في ذلك لآيات

للعالمين (۲۲:۴۰)

”اور اس کی نشانیوں میں سے ہے زمین اور اجرام سماوی کو پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں میں

اختلاف رکھنا۔ یقیناً اس باب میں اہل علم کے لئے (وجود باری کی) نشانیاں موجود ہیں۔“

ومن آياته يريكم البرق خوفاً وطمعاً ويُنزل من السماء ماءً فيحيى به الارض بعد

وما خلقنا السموت والارض وما بينهما الا بالحق واجل مسمى۔ (احقاف: ۳)
 ”ہم نے اجرام سماوی، زمین اور ان دونوں کے درمیان موجودات کو مصلحت کے ساتھ اور ایک وقت مقررہ تک کے لئے پیدا کیا ہے۔“

چنانچہ اس خدائی مصلحت اور ”اجل مسمى“ کی تصدیق و تائید خود سائنسی تحقیقات کے ذریعہ بھی اچھی طرح واضح ہو رہی ہیں کہ اربوں کہکشاؤں اور کھربوں کھربوں ستاروں اور سیاروں کی یہ پوری کائنات مستقبل میں باہم ٹکرا کر ختم ہو جائے گی۔ نیز ایک ایسا وقت بھی ضرور آنے والا ہے جب کہ خود ہمارا سورج بھی اپنی روشنی اور توانائی کھو کر بالکل ٹھنڈا یا ”مردہ“ ہو جائے گا اس دن یہ واقعہ ہمارے نظام شمسی کے لئے قیامت کا دن ہوگا۔ (۱۲)

غرض صحیفہ فطرت میں ودیعت شدہ اس قسم کی آفاقی نشانیوں کو نظر انداز کر کے آنکھیں موند لینا بڑی ہی محرومی اور بد قسمتی کی بات ہے۔ اس قسم کا رویہ فاسق و بدکردار لوگ ہی اختیار کر سکتے ہیں۔ جو اپنے انجام سے غافل و بے خبر یا حقائق سے آنکھیں چرانے والے ہوں۔

”وکاین من اية فى السموت والارض يمرون عليها وهم عنها معرضون (یس: ۱۰۵)
 ”زمین اور اجرام سماوی میں ایسی کتنی ہی نشانیاں (وجود باری کے دلائل) ہیں جن پر سے یہ لوگ (مکرمین حق) چشم پوشی کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔“

وكذلك انزلنا آيات بينات وان الله يهدى من يريد۔ (ج: ۱۲)
 ”اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو روشن دلائل کے ساتھ اتارا ہے اور اللہ اسی کو ہدایت دیتا ہے جو (ہدایت کا) ارادہ کرتا ہے۔“

ولقد انزلنا اليك آيات بينات وما يكفربها الا الفاسقون (ہر: ۹۹)
 ”یقیناً ہم نے آپ پر (اس قرآن کے ذریعہ) کھلے کھلے دلائل اتار دیئے ہیں جن کا انکار بدکردار لوگ ہی کر سکتے ہیں۔“

افلم يسيروا فى الارض فتكون لهم قلوب يعقلون بها او اذان يسمعون بها فأنها لاتعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التى فى الصدور۔ (ج: ۲۱)
 ”کیا انہوں نے زمین کی سیر نہیں کی تاکہ ان کے ایسے دل ہوتے جن کے ذریعہ وہ (زمین پر موجود مختلف احوال و کوائف کو سمجھتے یا ان کے ایسے کان ہوتے جن سے وہ (ان حقائق و واقعات کو) سنتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں کے اندر موجود دل اندھے ہوتے ہیں۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہمیشہ اور ہر دور میں یہ رہی ہے کہ جب مکرمین حق مسلسل و پیہم خدائی دلائل و براہین کو نظر انداز کرتے ہوئے خدائی ہدایت کو خاطر میں نہیں لاتے، بلکہ اپنے علوم و فنون پر فخر کرتے ہوئے پیام الہی کو

حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں تو ان پر حجت پوری ہو جاتی ہے پھر اچانک انہیں عذاب الہی آ لیتا ہے پھر وہ کف افسوس مل کر رہ جاتے ہیں لیکن اس وقت کی پشیمانی انہیں کچھ فائدہ نہیں دیتی۔

أفلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلهم کانوا اکثر منهم واشد قوة واثار افی الارض فما اغنی عنهم ما کانوا یکسبون - فلما جائتھم رسلهم بالبینات فرحوا بما عندھم من العلم وحاق بهم ما کانوا به یتستھزئون - فلما راوا سنا قالوا امنا باللہ وحده و کفرنا بما کنابہ مشرکین - فلم یک ینفعھم ایما نھم لما راء وبأسنا سنت اللہ الی قدخلت فی عبادہ وخسر هنالك الکافرون۔ (مومن: ۸۲-۸۵)

”کیا ان لوگوں نے زمین کی سیر نہیں کی تا کہ وہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیا ہوا؟ وہ لوگ ان سے زیادہ اور شدید قوت والے تھے جو زمین میں اپنے آثار و مظاہر چھوڑ گئے۔ لیکن ان کا کسب ان کے کچھ بھی کام نہ آیا۔ چنانچہ ہمارے رسول جب ان کے پاس کھلے ہوئے دلائل لے کر آئے تو وہ اپنے علم و دانش پر اترانے لگے اور جس چیز کا وہ استہزاء کرتے تھے اس نے انہیں آگھیرا۔ جب انہوں نے ہمارے عذاب کو آتے دیکھا تو (بے اختیار) کہہ اٹھے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور ان سب چیزوں کا انکار کیا جن کو ہم خدا کا شریک ٹھہراتے تھے مگر ہمارا عذاب دیکھ لینے کے بعد ان کا ایمان لانا انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکا۔ یہ اللہ کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں گزر چکی ہے۔ غرض اس وقت مکرین خدا گھاٹے میں رہ گئے۔“

یہ قرآن حکیم کے ”فلسفہ کائنات“ پر ایک اجمالی نظر تھی جس کے ملاحظے سے قرآنی دلائل و براہین کا ایک پورا فلسفہ ہمارے سامنے آ جاتا ہے کہ اس کتاب حکمت میں مابعد الطبعی حقائق اور روحی والہام کے اثبات کے لئے ”طبعی دلائل“ یا وجود باری کی نشانیوں کا ایک مکمل نظام موجود ہے جو ہر دور کے تقاضوں کے مطابق نوع انسانی کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے اس لحاظ سے اس میں عصر جدید کی بھی مکمل رہنمائی کا سامان موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنا جامع اور مکمل نظام دلائل جو ہر دور کے تقاضوں کے عین مطابق ہو وہ کسی انسان کا وضع کیا ہوا نہیں ہو سکتا لہذا ہم محض اس جامع نظام دلائل کو دیکھ کر ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ کلام ایک مافوق الطبعی ہستی ہی کا ہو سکتا ہے جو انسان نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ اس کے تفصیلی دلائل کا مطالعے سے مادیت کے سارے تار پود بکھیر جاتے ہیں۔ جو اس کی ایک ایک دھڑکی پر انگلی رکھتے ہوئے اس کے تمام امراض کی صحیح تشخیص کرتا اور ہر دور اپنے پر میل کے پتھر نصب کر کے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس سے بڑھ کر قرآن عظیم کا علمی معجزہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ آپ اس کتاب حکمت کو کسی بھی حیثیت سے جانچئے وہ ہر اعتبار سے مکمل اور بے عیب دکھائی دے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ خصوصیت سوائے کلام الہی کے کسی انسانی کلام میں پائی نہیں جاسکتی کہ زمانہ جیسے جیسے ترقی کرتا جا رہا ہے ویسے ویسے صحیفہ الہی کے اسرار و عجائب کھلتے جا رہے ہیں اور اس کے معانی و مطالب کمر کمر کھل رہے ہیں۔

ہے۔ قرآن عظیم کے کلام الہی ہونے کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا چاہیے؟

سائنس اور فلسفہ قرآن کی نظر میں

اوپر مذکور تمام آیات کے ملاحظے سے یہ بے غبار حقیقت پوری طرح منکشف ہو جاتی ہے کہ مظاہر عالم کی چھان بین اور ان کی تحقیق و تفتیش سے جو تکنیکی یا طبعی علم حاصل ہوتا ہے اس کے ذریعہ خدائی حجت پوری ہو جاتی ہے۔ لہذا قرآن حکیم کے ذریعہ اس طریقے کے مطابق حصول علم پر زور دیا گیا اور اس طبعی علم کو دین کی نظر میں قابل استدلال قرار دیا گیا ہے۔ اس علم کی پہلی منزل ”نظر“ ہے جس میں بصارت و بصیرت کے ساتھ دیکھنے کے علاوہ غور و فکر کرنے اور کسی چیز کا جائزہ لینے کے بھی ہیں۔ نیز اس کے معنی کسی چیز کے جائزے سے حاصل ہونے والے نتیجہ فکر کے بھی ہیں چنانچہ اس سلسلے میں علامہ راغب اصفہانی تحریر کرتے ہیں:

النظر تقلیب البصر والبصيرة لادراك الشئ ورئويته وقد يراد به التأمل والتفحص . وقد يراد به المعرفة الحاصلة بعد الفحص . وقوله (قل انظروا ماذا فى السموت) أى تأملوا . (۱۳)

اس اعتبار سے یہ ایک جامع لفظ ہے جس کے مفہوم میں کسی چیز کا بغور مشاہدہ کرنا اور غور و فکر کے ذریعہ اس کی چھان بین کرنا ہے۔ چنانچہ کلام الہی میں متعدد مقامات پر یہ لفظ مکررین خدا پر بطور حجت لایا گیا ہے مثلاً

قل انظروا ماذا فى السموت والارض وما تغنى الايات والنذر عن قوم لا يؤمنون (یونس: ۱۰)
”کہہ دو کہ ذرا غور سے دیکھو (جائزہ لو) تو سہی کہ زمین اور اجرام سماوی میں کیا کیا چیزیں موجود ہیں؟ (لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ) ایمان نہ لانے والوں کیلئے (وجود باری کی) یہ نشانیاں اور ڈراوے کچھ بھی فائدہ نہیں دیتے۔

اولم ينظروا فى ملكوت السموت والارض وما خلق الله من شئ وان عسى ان يكون قد اقترب اجهلهم فبائى حديث بعده يؤمنون (ہر: ۱۸۵)

”کیا انہوں نے زمین اور اجرام سماوی کی بادشاہت اور ان میں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو بغور نہیں دیکھا (ان کا جائزہ نہیں لیا)؟ اس بنا پر ہو سکتا ہے کہ ان کا وقت قریب آچکا ہو۔ اس (حکیمانہ کلام) کے بعد وہ آخر کس چیز پر ایمان لائیں گے؟“

غرض ان آیات کی رو سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ قرآن کی نظر میں زمین سے لے کر آسمان تک تمام مظاہر و موجودات قابل حجت و استدلال ہیں جو ”طبیعیات“ یا نیچر کے دائرے میں آتے ہیں۔ چنانچہ ان مظاہر و موجودات کا تفصیلی علم حواس خمسہ کے ذریعہ مشاہدے اور تجربے کی مدد سے حاصل ہوتا ہے۔

حواس خمسہ کے ذریعہ حاصل ہونے والی معلومات علم کی پہلی منزل ہے جب کہ اس کی دوسری منزل تعقل و فکر ہے۔ یعنی مشاہداتی و تجرباتی حقائق کو تصدیق و تردید سے کرنا۔ منطقی تضام و تبکیہ کے۔ بالفاظ دیگر استقرائی معلومات

(سائنسی حقائق) کو مرتب کر کے ان سے دلیل و استدلال کیلئے کلیات وضع کرنا۔ اس اعتبار سے قرآن حکیم کی نظر میں سائنس اور فلسفہ (علم کلام) دونوں معتبر ہیں۔ مظاہر کائنات کی چھان بین اور ان کی تحقیق و تفتیش کرنا ماہرین طبعیات یا سائنس دانوں کا کام ہے جبکہ سائنسی تحقیقات و اکتشافات کو بنیاد بنا کر ان سے کلی نتائج اخذ کرنا فلاسفہ یا متکلمین کی ذمہ داری ہے۔

غرض انہی علوم کے حاملین کو قرآن حکیم نے متعدد مواقع پر اہل علم، اہل دانش، مفکرین، عالم لوگ اور علماء وغیرہ کے خطاب سے نوازا ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر آفتاب و مہتاب کی چند خصوصیات کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کے نظاموں میں موجودہ حقائق کا پتہ چلانے والوں کو ”علم والے“ (لقوم یعلمون) قرار دیا گیا ہے:

هو الذى جعل الشمس ضياء والقمر نورا وقدره منازل لتعلموا عدد السنين
الحساب ما خلق الله ذلك الا بالحق يفصل الايات لقوم يعلمون (پوس: ۵)

”وہی ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی تعداد اور حساب معلوم کر سکو۔ یہ سب کچھ اللہ نے مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی آیتیں علم والوں کے لئے کھول کر بیان کرتا ہے۔“

ایک اور موقع پر نباتات میں پائے جانے والے غلوں اور پھلوں کے اختلاف و ذائقہ کی طرف خصوصی توجہ مبذول کراتے ہوئے اس عجیب و غریب مظہر ربوبیت میں غور و خوض کرنے والوں کو ”عقل والوں“ کے خطاب سے نوازا ہے۔

وفى الارض قطع متجاورات وجنات من اعناب وزرع ونخيل صنوان وغير
صنوان يسقى بماء واحد ونفضل بعضها على بعض فى الاكل ان فى ذلك لآيات لقوم
يعقلون (نور: ۲۰)

”زمین میں کچھ خطے پاس پاس واقع ہیں اور انگور کے باغات اور کھیتی اور شاخوں دار و غیر شاخوں دار کھجور کے درخت بھی موجود ہیں ان سب کو ایک ہی پانی سے سیرجھا جاتا ہے۔ لیکن ہم ذائقے میں ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں (یعنی ان کے ذائقے مختلف بناتے ہیں) یقیناً اس (مظہر ربوبیت) میں عقل مندوں کے لئے بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔“

اسی طرح ایک جگہ شہد اور اس کی مکھیوں کے محیر العقول کارنامے کا ذکر کرتے ہوئے اس باب میں غور و فکر کرنے پر اس طرح ابھارا گیا ہے:

واوحى ربك الى النحل ان اتخذى من الجبال بيوتا ومن الشجر ومما يعرشون ثم
كلى من كل الثمرات فاسلكى سبل ربك ذلل يخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فيه شفاء

للناس ' ان فی ذالک لایۃ لقوم یتفکرون (نحل: ۶۸-۶۹)

”اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو (الہام کے ذریعہ) آگاہ کیا کہ تو اپنے گھر بنانا پھاڑوں میں درختوں میں اور لوگوں کی بنائی ہوئی چھتوں میں۔ پھر ہر قسم کے پھولوں کو چوتی پھر اور اپنے پروردگار کی آسان راہوں پر چلا کر۔ چنانچہ اس کے پیٹ سے مختلف رنگوں والا ایک مشروب نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ اس (مظہر ربوبیت) میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے ایک نشانی موجود ہے۔“

ایک اور موقع پر خدا کی خدائی میں دوسروں کو شریک کرنے والوں کی مثال (اپنی کمزوری میں) کمزری کے جالے سے مشابہ قرار دیتے ہوئے ان کی مذمت کی گئی ہے پھر اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اس قسم کی مثالوں کو صرف ”عالم لوگ“ ہی سمجھ سکتے ہیں:

مثل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتا وإن أوهن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون وتلك الامثال نصربها للناس وما یعقلها الا العالمون. (عنکبوت: ۲۳)

”ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو کارساز بنایا ہے وہ کمزری جیسی ہے کہ وہ بھی (ایک طرح کا) گھر بناتی ہے مگر بلاشبہ کمزری کا گھر تمام گھروں میں سے سب سے زیادہ ہودا ہوتا ہے۔ کاش یہ لوگ (اس حقیقت کو) سمجھ سکتے۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کر رہے ہیں مگر ان مثالوں کو صرف عالم لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔“ ایک اور جگہ ایک ہی پانی سے رنگ برنگ میوے نکالنے نیز پھاڑوں انسانوں اور چوپاؤں میں بھی رنگوں کا اختلاف رکھے جانے کو وجود باری کی دلیل قرار دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ قدرت ربوبیت کے ان انوکھے نظاروں میں غور و فکر کرنے والوں میں اللہ کا ذرا پیدا ہو جاتا ہے جو مطالعہ فطرت کا حاصل اور نتیجہ الفتحا ہے:

الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء فاخر جنابه ثمرات مختلفا الوانها ومن الجبال جدد بیض وحممر مختلف الوانها وغرابیب سود ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانہ كذلك انما یخشى اللہ من عباده العلماء ان اللہ عزیز عفور (فاطر: ۲۴-۲۵)

”اے مخاطب کیا تو نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ نے بلندی سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ رنگ برنگے پھل نکالے؟ اسی طرح پھاڑوں میں کچھ مختلف رنگوں کے سفید سرخ اور بہت سیاہ ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ انسانوں جانوروں اور چوپاؤں کے رنگ بھی طرح طرح کے ہوتے ہیں (ان مظاہر ربوبیت کے ملاحظے کی بدولت) اللہ سے اس کے بندوں میں صرف علماء ہی ڈر سکتے ہیں یقیناً اللہ سب پر غالب اور بخشنے والا ہے۔“

اس کا حاصل یہ ہوا کہ جو لوگ مظاہر فطرت کے نظاموں میں سچے دل سے اور پوری غیر جانب داری کے ساتھ غور و خوض کرتے ہیں ان پر خدا کے وجود اس کی وحدانیت اس کی قدرت کاملہ اور اس کی ربوبیت و خلافت کا صحیح علم

منکشف ہو جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر انہیں معرفت الہی پوری طرح حاصل ہو جاتی ہے۔ جو عین الحقین اور حق الحقین کے مرتبے تک پہنچا دیتی ہے اس بنا پر ان پر خوف و خشیت طاری ہو جاتی ہے اور یہ عقلی و استدلالی ایمان روایتی ایمان سے زیادہ مستحکم و پائیدار ہوتا ہے، جس کو عقل و فلسفے کے تھپڑے کسی بھی طرح متزلزل نہیں کر سکتے اور اس کے حاطین کے پائے ثبات کو زلزلہ نہیں سکتے۔

حاصل یہ کہ قرآن حکیم کی نظر میں اہل علم و دانشور، مفکرین اور علماء وہ لوگ ہیں جو علوم طبعی کے ماہرین وہ متکلمین ہیں، جو مظاہر عالم کے ”سینوں“ کو چیر کر ان میں ودیعت شدہ ”خدا کی آیات“ یا دلائل ربوبیت کو منظر عام پر لانے والے ہوں، کیونکہ صحیفہ فطرت کے ہر ورق اس کی ذالی ذالی اور بونے بونے پر خدا کی آیات و نشانات منقش و مرسم ہیں، جن سے ایک اندھا بہر شخص ہی چشم پوشی کر سکتا ہے۔ یہ تمام مظاہر و موجودات اپنے عجیب و غریب اور حیرت انگیز نظاموں کے ذریعہ ایک عظیم اور برتر ہستی کے وجود اور اس کی وحدانیت کی خبر دے رہے ہیں، جس کا وجود تسلیم کئے بغیر عقلی و استدلالی حیثیت سے ان کی کوئی بھی تسلی بخش توجیہ و تاویل نہیں ہو سکتی۔ اور حیات و کائنات کے معنی حل نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ہر قدم پر انسانوں کی حیرتوں میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ مختلف ”تحقیقی عجوبوں“ سے بھری یہ رنگارنگ کائنات بھول بھلیوں سے کسی بھی طرح کم دکھائی نہیں دیتی، جب کہ اس میں ایک فوق الطبعی ہستی کا وجود تسلیم نہ کیا جائے۔

قرآنی نظریہ علم کیا ہے؟

ان تمہیدی مباحث کے بعد اب اصل موضوع کی طرح رجوع کیا جاتا ہے۔ تکنیکی یا نیچرل علوم کی قرآنی نقطہ نظر سے دو قسمیں ہیں: اول محسوسات یعنی حواس خمسہ کے ذریعہ حاصل ہونے والا علم اور دوم معقولات جو محسوساتی علم کو بنیاد بنا کر دلیل و استدلال سے کام لینے والا ہے علم اول سائنس کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے اور علم ثانی کو ہم خصوصیت کے ساتھ فلسفہ یا کلام کہہ سکتے ہیں۔ پہلا علم جزئیات پر مشتمل ہوتا ہے جب کہ دوسرا کلیات پر۔ اور یہ دونوں اسلام کی نظر میں حجت ہیں۔ اور اس کی ایک اور قومی دلیل حسب ذیل آیت کریمہ ہے جس کے مطابق ”سمیع و بصر“ (دیکھنے اور سننے) اور ”فواد“ (دل یا عقل) کو قابل مواخذہ قرار دیا گیا ہے۔

ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسوولا۔ (اسراء: ۳۶)

”یقیناً سمع و بصر اور فواد ہر ایک قابل مواخذہ ہے۔“

اس آیت کریمہ میں سمع و بصر کو چونکہ محسوسات میں نمایاں حیثیت حاصل ہے اس لئے انہیں حواس خمسہ کے نمائندوں کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جبکہ فواد معقولات کی نمائندگی کر رہا ہے۔

چنانچہ امام رازی کی تحریر کرتے ہیں کہ علوم یا تو حواس کا ذریعہ حاصل ہوتے ہیں یا عقل کے ذریعہ۔ تو یہاں پر قسم اول کی طرف سمع و بصر کے ذریعہ اشارہ کیا گیا اور قسم ثانی کی طرف فواد کا ذریعہ۔ پھر جو علوم عقل کا ذریعہ حاصل

ہوتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک بدیہی اور دوسرا کسی۔ (۱۳)

علامہ ابن تیمیہؒ نے سماع و بصیر کو علم کا اصل سرچشمہ قرار دیتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ انہی دو حقائق کی بدولت انسان چوپاؤں سے ممتاز ہے (۱۵)

اس بحث سے واضح ہو گیا کہ محسوسات و معقولات قرآن کی نظر میں علم کے ذرائع ہیں جن سے انسان پر حجت قائم ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ قابل مواخذہ ہیں بعض مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ اسی بنا پر کسی واقعہ کی غلط شہادت دینا بھی خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہے۔ (۱۶)

لہذا تجرباتی علوم میں اس سے مراد یہ ہے کہ تجربہ و مشاہدہ کرنے والے افراد اپنے نتائج فکریہ کا ایمانداری اور پوری غیر جانبداری کے ساتھ اظہار و اعلان کریں اور اپنی طرف سے اس میں کسی قسم کی آمیزش نہ کریں ورنہ وہ ایک ”قول زور“ یا ”جھوٹی بات“ ہونے کی وجہ سے قابل مواخذہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ علم ایک خدائی امانت ہے جس میں کسی قسم کی ملامت نہ ہونی چاہیے۔

غرض قرآن حکیم کی نظر میں جو لوگ مظاہر عالم اور ان کا نظاموں میں غور و فکر نہیں کرتے اور ان میں موجودہ منطقی و آفاقی شہادتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے بے بنیاد عقائد سے چپے رہتے ہیں وہ بہائم اور چوپاؤں کی طرح ہیں:

ولقد ذرانا للہنم کثیرا من الجن والانس لهم قلوب لا یفقهون بها ولهم اعین لا یبصرون بها ولهم اذان لا یسمعون بها اولئک کالانعام بل هم اضل اولئک هم الغافلون (اعراف ۱۷۹)

”اور ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جنوں اور انسانوں کو پیدا کر رکھا ہے جن کے دل تو ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں جن کی آنکھیں تو ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور جن کے کان تو ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ لہذا یہ لوگ (اپنی بے بصیرتی کی بنا پر) چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے یہی لوگ غافل ہیں۔“

یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی بھی شرح کر رہی ہے جس کے مطابق سماع و بصیر اور فواد کو قابل مواخذہ بتایا گیا ہے اس موقع پر فواد سے مراد دل یا عقل ہے۔ اس اعتبار سے قرآن حکیم نوع انسانی کو نہ صرف یہ کہ موجودات عالم میں غور و فکر کر کے ان سے صحیح نتائج اخذ کرنے کی دعوت دیتا ہے بلکہ انہیں مختلف طریقوں سے جھنجھوڑتے ہوئے مشاہدے اور تعقل و تفکر پر بھی ابھارتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا یہ رویہ کسی بھی اندھی عقیدت کے خلاف ہے لہذا اسلام جیسے حقیقت پسند مذہب پر ”بے عقلی“ کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دراصل اسی نوع انسانی کو پہلی بار عقل و فکر کے ذریعہ تجربے و مشاہدے پر ابھارا ہے تاکہ تجرباتی حقائق کی روشنی میں اسلام کے دعوے اور اس کے عقیدے کھرے ثابت ہوں۔

(جاری ہے)